ضعیف احادیث سے استدلال کا علمی جائزہ

Deduction From Weak Aḥādīth: A critical Analysis

ڈاکٹر فرہاداللہ *

محمد ناصر **

Abstract

The scholars of Prophetic Traditions (Muhaddithūn) have divided ḥadīth into many categories. According to authenticity of narrators it has three sub categories i.e. ṣaḥīḥ (sound), ḥasan (good) and ḍa'īf (weak). The first two are unanimously acceptable by all scholars of ḥadīth however they have differed about the last type. Some of them are of the view that a weak ḥadīth is acceptable in certain conditions while others hold opposite opinion. Keeping in view its weaknesses and strength, a ḍa'īf ḥadīth is further sub divided into many types. Acting upon the directives mentioned in a weak ḥadīth has been a hot topic of debate among scholars down the ages. In this paper, the acceptability and non-acceptability of ḍa'īf aḥādīth is discussed in the light of the contemporary situation.

Keywords: Weak narration, Difference between weak and fabricated narration, Conditional acceptance of weak narration

محدثین نے سند کے اعتبار سے حدیث کو صحیح، حسن اور ضعیف کے درجوں میں تقسیم کیا ہے۔ ان میں سے پہلی دو علمائے امت کے ہاں بالاتفاق مقبول جبکہ تیسری قسم کے بارے میں علماء کی آراء مختلف ہیں، بعض اس کی قبولیت اور بعض عدم قبولیت کے قائل ہیں۔ دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ ضعیف حدیث کی بذات خود کئی اقسام ہیں جن میں کچھ کا ضعف شدید اور کچھ کا خفیف ہے ان میں شدید ترین قسم حدیث موضوع ہے۔ حدیث ضعیف پر عمل کرنے یا نہ کرنے کا مسئلہ گذشتہ کئی صدیوں سے ایک اہم علمی میدان رہا ہے۔ موجودہ دور میں اتحاد امت کے حوالے سے اس کی اہمیت مزید بڑھ گئی ہے۔ زیر نظر مضمون میں معاصر تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے حدیث ضعیف پر عمل کرنے یا نہ کرنے کے حوالے سے تحقیق کی گئی ہے۔ قرآن کریم کے بعد احادیث مبارکہ شریعت اسلامیہ کا دوسرا اہم اور بنیادی ماخذ ہے۔ حدیث کا اطلاق رسول اللہ ﷺ کے اقوال، افعال اور احوال پر ہوتا ہے۔ عہد رسالت ﷺ سے جوں جوں دوری بڑھتی گئی، رشد وہدایت میں کمی واقع ہونے کی بناء پر شر وضلالت پنجے گاڑتی رہی۔ فتنے تیزی سے بڑھتے جارہے ہیں ایک فتنہ فرو نہیں ہوپاتا کہ دوسرا برپا ہوجاتا ہے۔ ان فتنوں میں سے ایک فتنہ انکار حدیث کا بھی ہے۔ حدیث نبوی امت مسلمہ کے لیے ایک ناگزیر حقیقت اور اس کے وجود کے لیے ایک لازمی شرط ہے، احادیث مبارکہ کی حفاظت، ترتیب وتدوین، حفظ اور نشر واشاعت کے بغیر امت کا دینی وذہنی، عملی اور اخلاقی دوام وتسلسل برقرار نہیں رہ سکتا اس لیے کہ احادیث نبوی ﷺ پر پورے اسلام کی بنیاد کھڑی ہے۔ محدثین کرام نے احادیث مبارکہ کے مختلف درجات بیان کیے ہیں جس میں سے

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، سنٹر فار ریلیجس سٹڈیز کوہاٹ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی کوہاٹ

** پی ایچ۔ڈی ریسرچ سکالر، شعبہ اسلامیات، جامعہ پشاور / لیکچرار، شعبہ تھیالوجی، اسلامیہ کالج یونیورسٹی، پشاور

ایک اہم قسم حدیث ضعیف بھی ہے۔ علامہ ابن الصلاحؒ نے حدیث کی پینسٹھ اقسام بیان کی ہیں [1]۔ اس میں ضعیف احادیث کی بیالیس قسمیں گنوائی ہیں۔

ضعیف حدیث:

لغوی اعتبار سے ضعیف "قوی" کی ضد ہے، ضعف حسی بھی ہو سکتا ہے اور معنوی بھی۔ فن حدیث میں ضعف سے معنوی ضعف مراد لیا جاتا ہے۔ ابن الصلاحؒ نے حدیث ضعیف کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"كُلُّ حَدِيثٍ لَمْ يَجْتَمِعْ فِيهِ صِفَاتُ الْحَدِيثِ الصَّحِيحِ، وَلَا صِفَاتُ الْحَدِيثِ الْحَسَنِ الْمَذْكُورَاتُ فِيمَا تَقَدَّمَ، فَهُوَ حَدِيثٌ ضَعِيفٌ"[2]

"یعنی ہر حدیث جس میں حدیث صحیح اور حدیث حسن کی صفات مذکورہ جمع نہ ہو وہ حدیث ضعیف ہے"

جبکہ علامہ ابن حجرؒ نے حدیث ضعیف کی تعریف اس طرح کی ہے:

"کل حدیث لم تجتمع فیہ صفات القبول"[3]

"یعنی ہر وہ حدیث جس میں قبول کی صفات جمع نہ ہوں وہ حدیث ضعیف ہے"

اصطلاح محدثین میں حدیث ضعیف وہ حدیث ہے جس میں حدیث حسن کی شرائط میں سے بعض شرائط نہ پائی جاتی ہوں کیونکہ ضعیف حدیث یا تو سند کے اعتبار سے غیر متصل ہوتی ہے، یا پھر راویوں کے کردار پر اعتراضات کی وجہ سے کمزور ہو جاتی ہے یا اس میں کوئی اور علت ہوتی ہے یا پھر اس حدیث کے راوی ثقہ راویوں کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ اگر حدیث حسن میں کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو تو وہ حدیث ضعیف کہلاتی ہے۔ محدثین کرام نے حدیث ضعیف کی کئی قسمیں بیان کی ہیں جس کا آخری درجہ حدیث موضوع ہے جس کو مجازاً حدیث کہا جاتا ہے۔ موضوع سے مراد وہ جھوٹی حدیثیں ہیں، جو لوگوں نے گھڑ کر رسول اللہ ﷺ سے منسوب کر دی ہوں۔ حضور ﷺ کا ارشاد یا عمل بالکل نہ ہو۔[4]

ضعیف اور موضوع میں فرق:

لفظ موضوع "وضع" سے اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ اسے مجازاً حدیث کہا جاتا ہے کیونکہ محدثین کی ساری کاوشیں اسی لیے ہیں، کہ ان روایات کا پتہ چلایا جائے جو رسول اللہ ﷺ کی طرف غلط طور پر منسوب ہوں۔ بعض محدثین نے موضوع کو حدیث ضعیف کی ذیلی قسم بنانے کی بجائے ایک مستقل اور الگ قسم قرار دیا ہے۔ حدیث ضعیف اور موضوع میں فرق یہ ہے کہ حدیث موضوع بالاتفاق مقبول نہیں بلکہ مردود ہے اس پر کسی بھی صورت عمل نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی بطور حدیث اس کے بیان کرنے کی اجازت ہے جبکہ بعض محدثین اور فقہاء نے فضائل اور مناقب میں حدیث ضعیف پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے۔ موضوعات کے الگ مجموعے پائے جاتے ہیں کئی لوگوں نے یہ مجموعے مرتب کئے ہیں کم از کم پچیس تیس کتابیں ہیں جن میں موضوع روایات جمع کر دی گئی ہیں، تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ یہ رسول اکرم ﷺ کے ارشادات گرامی نہیں ہیں۔[5]

ضعیف حدیث پر عمل کرنا چاہیئے؟ یا نہیں اس بارے میں اہل علم میں تین نقطہ ہائے نظر پائے جاتے ہیں:

1) پہلا نقطہ نظر ان علماء کا ہے جو حدیث اور فقہ دونوں میں دلچسپی رکھتے تھے، ان کے نزدیک ضعیف حدیث پر ہر حال میں عمل کیا جائے گا۔

2) دوسرا نقطہ نظر جو جمہور ائمہ فقہاء اور بعض محدثین کا ہے، یہ ہے کہ فضائل کے باب میں حدیث ضعیف پر کچھ شرائط کے ساتھ عمل کیا جائے گا۔

3) تیسرا نقطہ نظر علم حدیث میں نمایاں مقام رکھنے والے محدثین کا ہے ان کا کہنا ہے کہ حدیث ضعیف پر مطلقاً عمل نہیں کرنا چاہیے۔

ان تین نقطہ ہائے نظر میں سے پہلے دو حدیث ضعیف کے کسی نہ کسی حیثیت میں قابل قبول ہونے کا جواز فراہم کرتے ہیں جبکہ تیسرا نقطہ نظر حدیث ضعیف کے علیٰ الاطلاق قابل رد ہونے کا مؤید ہے، اب ان تینوں نقطہ نظر کے علماء کی آراء کو مع دلائل پیش کیا جائے گا تاکہ حدیث ہذا کی حقیقی معرفت حاصل ہو سکے۔

1) پہلا نقطہ نظر ان علماء کا ہے جو حدیث اور فقہ دونوں میں دلچسپی رکھتے تھے، ان کے نزدیک ضعیف حدیث پر ہر حال میں عمل کیا جائے گا۔ ان کے نزدیک ضعیف حدیث شخصی قیاس واجتہاد پر مقدم اور اولیٰ ہے ان کی رائے یہ ہے کہ کسی کام کے لیے اگر ضعیف حدیث مل جائے تو وہ ہماری رائے سے بہتر ہے کیونکہ اپنی یا دوسروں کی رائے پر عمل کرنے کے بجائے حدیث ضعیف پر عمل کرنا بہر حال بہتر ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے منسوب ایک روایت موجود ہے اگرچہ اس کی نسبت کمزور ہے۔ علامہ سیوطیؒ "تدریب الراوی" میں فرماتے ہیں۔ "بعض محدثین کے ہاں ضعیف حدیث پر مطلقاً عمل کیا جائے۔ یہ رائے امام ابو داؤدؒ اور امام احمدؒ کی طرف منسوب ہے۔ ان کے نزدیک حدیث ضعیف شخصی قیاس اور رائے سے قوی تر ہے"[6]

علامہ سخاویؒ "فتح المغیث" میں فرماتے ہیں کہ:

> "امام نسائیؒ تخریج احادیث کے معاملہ میں جس طرح ان راویوں پر اعتماد کرتے ہیں جن کے مقبول ہونے پر ائمہ کا اتفاق ہو اسی طرح ان تمام رواۃ سے بھی تخریج کرتے ہیں جن کے متروک ہونے پر ائمہ جرح وتعدیل کا اجماع نہ ہو۔ امام ابو داؤد نے امام نسائی کے رجال سے ثقاہت اور عدم ثقاہت کی قید کے بغیر احادیث اخذ کرنے کے ساتھ ساتھ ان رواۃ سے بھی تخریج کی ہے جن کے ضعف کے بارے میں ائمہ جرح وتعدیل کا باہمی اختلاف ہے"[7]

ائمہ فقہاء کی رائے بھی یہی ہے۔ امام احمدؒ حدیث ضعیف کو شخصی رائے پر مقدم رکھتے تھے جس کی تائید ان دو مشہور اقوال سے ہوتی ہے کہ:

"ان الحدیث الضعیف احب الی من رأی الرجال"[8]

"حدیث ضعیف میری نگاہ میں شخصی رائے کے مقابلہ میں زیادہ پسندیدہ ہے"

ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا:

"الحدیث الضعیف خیر من القیاس"[9]

"حدیث ضعیف قیاس پر مقدم ہے"

امام شافعیؒ بھی ضعیف حدیث کو قیاس پر مقدم سمجھتے ہیں۔ علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں:

"امام شافعی جب کوئی دوسری روایت نہ پاتے تو حدیث مرسل کی طرف رجوع کرتے"

علامہ ابن قیمؒ، امام مالکؒ کا مسلک بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وہ مرسل، منقطع اور صحابی رسولؐ کے قول کو قیاس پر مقدم رکھتے تھے"[10]

علمائے احناف کے ہاں حدیث ضعیف کی تقدیم علی القیاس کے ثبوت میں محققین کے اقوال بکثرت ہیں۔ علامہ ذہبی نے مناقب الامام[11] اور مولانا عبد الحئ لکھنوی نے ظفر الامانی میں علامہ امام ابن حزمؒ کا یہ قول نقل کیا ہے:

"تمام حنفیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ضعیف حدیث قیاس سے اولیٰ ہے اگر اس باب میں کسی دوسری حدیث کا ملنا مشکل ہو"[12]

ابن حجر مکیؒ نے بھی علامہ ابن حزمؒ کے اس قول کو نقل کیا ہے۔[13]

بقول ابن حزمؒ: امام ابو حنیفہؒ نے اپنے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

"رسولؐ اللہ کی ضعیف خبر (میرے نزدیک) قیاس سے اولیٰ ہے اس کی موجودگی میں قیاس جائز نہیں ہے"[14]

علامہ ابن قیم الجوزیؒ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ابو حنیفہ کے تمام اصحاب کا اس پر اجماع ہے کہ ان کے نزدیک ضعیف حدیث قیاس اور رائے سے مقدم ہے اسی پر ان کے مذہب کی بنیاد ہے۔ مثلاً: نماز میں قہقہہ والی ضعیف حدیث کو قیاس پر مقدم کرنا کھجور کی نبیذ سے سفر میں وضو کرنیوالی ضعیف حدیث کو رائے اور قیاس پر مقدم کرنا اور دس درہم سے کم چوری کرنے والے چور کے ہاتھ کا نہ کاٹنا۔ اور اقامت جمعہ کے لئے مصر کی شرط لگانا ان ساری احادیث میں حدیث ضعیف کو قیاس پر مقدم کیا گیا ہے۔"[15]

مذکورہ بالا بحث سے یہ واضح ہوا کہ ضعیف حدیث پر عمل کرنے والا یہ سوچ کر عمل کرے کہ یہ ثابت شدہ حدیث تو نہیں لیکن احتیاطاً اس پر عمل کرنے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں ہے احتیاط کا تقاضا ہے کہ اس پر عمل کیا جائے، تاکہ رسول اکرم ﷺ کا کوئی ارشاد بغیر عمل کے باقی نہ رہے۔ اور جب حدیث ضعیف سے کسی عمل کی جو فضیلت ثابت ہو رہی ہو وہ شریعت کے کسی طے شدہ اصول کے تحت آتی ہو تو اس پر عمل کیا جائے گا مثلاً نماز کے بارے میں صحیح روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"فَأَعِنِّي عَلَى نَفْسِکَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ"[16]

"یعنی سجدوں کی کثرت سے میری مدد کرو۔"

لہذا شریعت میں نفل نماز کو پسند کیا گیا ہے اب اگر ضعیف حدیث میں کسی خاص موقع پر نماز کی تلقین آئی ہو تو اس پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ ایسا کرنا دوسری عمومی روایات سے ثابت ہے۔ چنانچہ صرف ایسی ضعیف احادیث سے استفادہ کیا جائے جنہیں ائمہ دین نے اپنے اجتہاد کی روشنی میں قیاس پر مقدم کیا ہو۔

2) دوسرا نقطہ نظر جو جمہور فقہاء اور بعض محدثین کا ہے کہ ضعیف حدیث پر کچھ شرائط کے ساتھ فضائل اعمال اور ترہیب وترغیب وغیرہ میں عمل کیا جائے گا۔ لہذا اس نقطہ نظر کے نمائندہ علماء کے نزدیک ضعیف احادیث کا دائرہ عمل مذہب اول کی نمائندگی کرنے والوں کے مقابلہ میں نسبتاً محدود ہے کہ زندگی کے تمام معاملات میں ضعیف احادیث شریعت کی رو سے قابل قبول نہیں رہتیں بلکہ مخصوص ابواب تک محدود ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ خطیب بغدادیؒ[17]، اور جلال الدین سیوطیؒ نے عبداللہ بن مبارکؒ کے متعلق حلال وحرام، احکام وعقائد کی احادیث میں شدت اختیار کرنا اور فضائل کی روایت میں تساہل کرنا نقل کیا ہے۔[18] اسی طرح علامہ سخاویؒ نے امام احمدؒ سے نقل کیا ہے:

"رقائق کی احادیث تساہل کی محتمل ہیں حتیٰ کہ کوئی ایسی چیز آجائے جو احکام سے متعلق ہو اور فضائل کی احادیث ان چیزوں (شرائط) کی محتاج نہیں ہوتیں جو ان احادیث کے لئے ضروری ہیں جن سے حجت حاصل کی جاتی ہے"[19] اسی طرح علامہ ابن تیمیہؒ، امام بیہقیؒ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"انہوں نے فضائل میں بہت سی ضعیف بلکہ موضوع احادیث روایت کی ہیں"[20]

علامہ یحییٰ بن شرف النووی الدمشقی الشافعیؒ (م676ھ) "**ماتمس الیہ حاجۃ القاری لصحیح البخاری**" میں لکھتے ہیں:

"علماء فرماتے ہیں کہ احکام میں ضعیف احادیث پر عمل جائز نہیں اور نہ ہی اس سے احکام ثابت ہوتے ہیں مگر صرف ایسی چیزوں کے بارے میں عمل جائز ہے جن کا تعلق عقائد واحکام سے نہ ہو بلکہ فضائل اعمال، مواعظ یا اس سے مشابہ دوسری چیزوں سے ہو۔"[21]

اسی رائے کا اظہار کرتے ہوئے مولانا ظفر احمد عثمانی تھانویؒ فرماتے ہیں:

"علماء کے نزدیک مواعظ، قصص اور فضائل میں وارد ضعیف احادیث بغیر ان کے ضعف کے بیان کئے ہوئے روایت کرنا جائز ہے مگر اللہ تعالیٰ کی صفات اور حلال وحرام کے احکام میں ایسا کرنا جائز نہیں ہے"[22]

علامہ علاء الدین بن محمد بن علی "**در مختار شرح تنویر الابصار**" میں فرماتے ہیں:

"ان (ضعیف احادیث) پر فضائل اعمال میں عمل کیا جاتا ہے"[23]

علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں:

"حافظ ابن صلاح اور امام نوویؒ نے ضعیف حدیث کو قبول کرنے کے لئے اس کے سوا کوئی اور شرط ذکر نہیں کی ہے کہ وہ فضائل اعمال سے متعلق یا اسکے مشابہ ہو"[24]

امام حاکمؒ فرماتے ہیں:

"میں نے ابو زکریا العنبریؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ایسی خبر جو کسی چیز کو حلال یا حرام کرنے یا کسی حکم کے وجوب میں وارد نہ ہوئی ہو بلکہ ترغیب یا ترہیب سے متعلق ہو تو اس کے رواۃ کی چھان بین میں اغماض اور تساہل سے کام لینا چاہئے"[25]

جبکہ حافظ سیوطیؒ نے "تدریب الراوی" میں ضعیف حدیث کی قبولیت کے لیے تین شرائط ذکر کی ہیں:

1) حدیث کا ضعف شدید نہ ہو، لہٰذا کذاب متہم بالکذب اور فحش غلطی کرنے والے راوی کی حدیث خارج ہو جائے گی جبکہ وہ روایت کرنے میں منفرد ہو۔

2) وہ حدیث کسی اصل عام کے تحت داخل ہو۔ اس سے ہر موضوع حدیث خارج ہو جائے گی کیوں کہ اس کے لئے کوئی اصل نہیں ہوتی۔

3) اس حدیث پر عمل کرتے وقت اس کے ثبوت کا اعتقاد نہیں رکھنا چاہئے۔ تاکہ نبی ﷺ کی جانب کسی ایسی بات کی نسبت نہ ہو سکے جسے آپؐ نے ارشاد نہیں فرمایا ہے۔[26]

علامہ ابن عابدینؒ ان شرائط کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" ضعف کی شدت سے مراد ایسا طریق ہے کہ جس میں راوی کذاب یا متہم بالکذب نہ ہو اور حدیث کی سنیت کا اعتقاد نہ رکھنے سے مراد یہ ہے کہ اس پر کئے جانے والے عمل کی سنیت کا اعتقاد نہ رکھا جائے....... اگر روایت موضوع ہو تو کسی حال میں بھی اس پر عمل جائز نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ خواہ وہ فضائل اعمال ہی میں سے کیوں نہ ہو"[27]

علامہ جلال الدین سیوطیؒ تیسری شرط کے متعلق فرماتے ہیں:

"عمل کے وقت اس کے ثبوت کے اعتقاد کے بجائے احتیاط کا اعتقاد رکھا جائے علماء فرماتے ہیں فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل جائز ہے مگر ہمیشہ اس پر عمل نہ کیا جائے"[28]

علامہ لکھنویؒ "آثار المرفوعة" میں "حرمته روايته الحديث الموضوع" کے زیر عنوان تحریر فرماتے ہیں:

"موضوع حدیث کے مقابلے میں ضعیف حدیث اگر احکام سے متعلق نہ ہو تو اس میں تساہل سے کام لیتے ہوئے متعدد شروط کے ساتھ اسے قبول کیا جاتا ہے"[29]

علامہ لکھنوی "آثار المرفوعة" میں ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

"کسی موضوع روایت پر عمل قطعاً جائز نہیں ہے۔ البتہ ضعیف حدیث پر عمل اور اس کو قبول کرنے کی صراحت کی گئی ہے بشرطیکہ وہ حدیث شدید ضعیف نہ ہو یعنی اس کی اسناد میں سے کوئی ایک سند بھی کذاب، متہم، متروک یا اسی قبیل کے راوی سے خالی نہ ہو"[30]

اسی طرح فرماتے ہیں:

"ہاں فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل جمہور کا مذہب ہے لیکن مشروط ہے یعنی اس حدیث کا ضعف، ضعف شدید نہ ہو اگر ضعف شدید ہو تو وہ فضائل اعمال میں بھی قبول نہیں جا سکتی"[31]

علامہ لکھنویؒ صلاۃ التسبیح کی روایت پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اس روایت کو ضعیف بتا کر اس پر عمل کو ناجائز بتانا صریح مغالطہ ہے کیوں کہ حدیث ضعیف پر عمل کو مطلقاً ناجائز بتانا قطعی باطل ہے البتہ ایسی حدیث ضعیف جس کی سند متروک، ساقط، کذاب اور متہم رواۃ سے خالی نہ ہو وہ شدت ضعف کے باعث لائق عمل نہیں ہوتی، جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے بیان کیا ہے۔ زیر مطالعہ حدیث کے متعلق اگرچہ بعض علماء نے ضعیف کی صراحت کی ہے لیکن ان میں سے کسی نے اس کے ضعف کی شدت کی صراحت نہیں کی ہے کہ جس کی وجہ سے قابلیت احتجاج سے خارج ہو جائے یا اس پر عمل روک دیا جائے"[32]

اس مذہب کے حق ہونے پر جمہور علماء کا اتفاق نقل کیا گیا ہے کہ فضائل کے باب میں حدیث ضعیف پر کچھ شرائط کے ساتھ عمل کیا جائے گا۔ پہلی شرط یہ ہے کہ اس حدیث ضعیف سے شریعت کا کوئی حکم ثابت نہ ہوتا ہو یعنی حلال و حرام جیسے معاملات حدیث ضعیف کی بنیاد پر طے نہیں ہو سکتے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ حدیث ترہیب یا ترغیب کے موضوع پر ہو۔ تیسری شرط یہ ہے کہ اس کا ضعف بہت سخت درجہ کا نہ ہو۔ نامور اہل علم کی ان جیسی آراء پر غور کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ عہد حاضر میں جبکہ اعمال سے دوری کا دور دورہ ہے اس مذہب کی اہمیت پہلے سے کہیں زیادہ اہمیت اختیار کر گئی ہے۔ عہد حاضر کے نمائندہ علماء کی یہ ذمہ داری ہے کہ موضوع اور ضعیف احادیث کی جداگانہ حیثیت کے پیش نظر کہ حدیث موضوع اگرچہ ضعیف احادیث کی ایک قسم ہے لیکن محققین کے کلام میں اسے "اقبح من الاحادیث الضعیفه" اور "اشر من الاحادیث الضعیفه" کی حیثیت سے ذکر کیا گیا ہے، موضوع، متروک، متہم بالکذب اور فحش و غلط و آلودہ روایات سے عوام الناس کو آگاہ کرتے ہوئے ان سے احتراز کی راہ دکھائیں۔ ذخیرہ احادیث میں سے صرف شرائط خاص پر پوری اترنے والی احادیث ضعیفہ کو عوام الناس کے سامنے پیش کریں تاکہ فضائل اعمال، زہد، مناقب، ترغیب و ترہیب اور ان کے مشابہ ابواب میں لوگوں کی رغبت میں بتدریج اضافہ ہو نتیجتاً اعمال صالحہ کی فضا قائم ہو سکے گی۔

4) تیسرا نقطہ نظر ان حضرات کا ہے جو صرف محدث ہیں یا علم حدیث میں زیادہ نمایاں مقام رکھتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ ضعیف احادیث مطلقاً قابل رد ہیں، ان پر احکام، فضائل اور کسی بھی صورت میں عمل کرنا جائز نہیں ہے اور خاص کر جس بات یا قول کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ اس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کمزور ہے۔ ایسی بات کو آپ ﷺ سے منسوب کرنا ایک غلط چیز کا منسوب کرنا ہے۔ جب کسی روایت کی نسبت کمزور ہو تو ہم کیسے بطور حدیث رسول ﷺ اس پر عمل کر سکتے ہیں۔ اس مذہب کو پیش کرنے والے نمائندہ علماء میں امام مسلم، یحییٰ بن معین، امام بخاری اور امام ابن حزم ہیں۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ اگر کسی حدیث کا ضعیف ہونا ثابت ہو گیا تو اس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

صاحب "قواعد التحدیث" علامہ محمد جمال الدین، یحییٰ بن معین اور ابن عربیؒ کا مسلک ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ابن سعید نے "عیون الاثر" میں یحییٰ بن معین کی نسبت اور علامہ سخاوی نے "فتح المغیث"[33] میں علامہ ابوبکر ابن العربیؒ کے متعلق تحریر کیا ہے کہ:

"یہ حضرات ضعیف حدیث پر عمل کو مطلقاً جائز نہیں سمجھتے تھے بظاہر امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کا مذہب بھی یہی ہے جامع الصحیح میں امام بخاریؒ کی شرط اور امام مسلمؒ کا ضعیف رواۃ پر تشنیع کرنا نیز صحیحین میں ان میں سے کسی روایت کی تخریج نہ کرنا اس امر پر دلالت کرتا ہے"[34]۔ امام مسلمؒ "**خطبہ صحیح مسلم**" میں فرماتے ہیں:

"اپنے چاروں اطراف ہم جو برائیاں دیکھتے ہیں وہ تمام اس وجہ سے ہیں کہ عوام نے صحیح احادیث کو چھوڑ کر ضعیف احادیث اور منکر روایات کو اپنا شعار بنالیا ہے......... جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے ہر اس شخص پر جو کہ صحیح اور سقیم روایات اور ثقات ناقلین و متہمین کے درمیان تمیز کی صلاحیت رکھتا ہے واجب کیا ہے کہ سوائے صحیح احادیث کے اور کچھ روایت نہ کرے نیز اہل المتہم، معاندین واہل بدع کی روایت سے تقویٰ اختیار کرے" [35]

ہمارے اس قول کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

"**يَاأَيُّهَاالَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍفَتَبَيَّنُوا**"[36]

"اے ایمان والو اگر آئے کوئی گناہ گار خبر لے کر تو تحقیق کر لو"

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"**وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِنْكُمْ**"[37]

"اور گواہ کر لو دو معتبر اپنے میں سے"

یہ آیات اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ فاسق کی خبر غیر مقبول اور غیر عادل کی شہادت مردود ہے..... اگر فاسق کی خبر تمام اہل علم حضرات کے نزدیک غیر مقبول اور اس کی شہادت مردود ہے تو یہ بات منکر اور ضعیف احادیث کی روایت پر نفی کی دلیل ہے۔ [38]

ناصر الدین البانی، علامہ ابن حبانؒ کی یہ عبارت نقل کرتے ہیں:

"**ان الروایۃ الضعیف لا یخرج لیس بعدل عن حد المجھولین الی جملۃ اھل العدالۃ ماروی الضعیف ومالم یروفی الحکم سیان**"[39]

اس کے بعد فرماتے ہیں:

"ابن حبانؒ کی اس دوسری تعلیل میں اس جانب اشارہ پایا جاتا ہے کہ ضعیف حدیث پر عمل جائز نہیں ہے"[40]

حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

"اوقات، مقامات، عبادات، اخلاق، انبیاء واصحاب کے فضائل میں لوگوں نے ہر طرح کی احادیث روایت کی ہیں جن میں صحیح اور موضوع بھی ہیں۔ لیکن شریعت میں محض صحیح و حسن حدیثوں پر ہی اعتماد کیا جاتا ہے، ضعیف احادیث لینا درست نہیں"[41]

علامہ ابن حزمؒ ضعیف حدیث کی بابت فرماتے ہیں:

"اگر کسی روایت میں کوئی ایسا شخص موجود ہو جو کذب یا غفلت یا جہالت حال کے ساتھ مجروح ہو تو یہ بھی وہی چیز ہے جس کو بعض

مسلمانوں نے بیان کرنا جائز رکھا ہے لیکن ہمارے نزدیک اس کا بیان کرنا، اس کی تصدیق کرنا اس سے کچھ اخذ کرنا قطعاً جائز نہیں ہے"[42]

علامہ شوکانیؒ، حافظ ابن عبد البرؒ کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"واھل العلم بجماعتھم یتساھلون فی الفضائل فیروونھا عن کل وانما یتشددون فی احادیث الاحکام"[43]

"اور اہل علم کی جماعت کا طریق یہ ہے کہ وہ فضائل کی بابت لوگوں سے پوچھتے ہیں اور ہر ایک سے بلا تفریق ثقہ وضعیف روایت کرتے ہیں حالانکہ احادیث احکام میں وہ لوگ متشدد واقع ہوئے ہیں"

علامہ شوکانیؒ کا حافظ ابن عبد البرؒ کے تعاقب میں یہ کہنا آپ کے مسلک کی ترجمانی کرتا ہے کہ حدیث ضعیف سے اخذ نہیں کرنا چاہئے۔ خطیب بغدادیؒ بھی "**الکفایۃ فی علم الروایۃ**" میں لکھتے ہیں کہ:

"ضعیف رواۃ سے روایت نہیں کرنی چاہئے"[44]

حبیب الرحمن کاندھلوی صاحب موضوعات کبیر کے اُردو ترجمہ میں ضعیف روایت کے ضمن میں یوں رقم طراز ہیں:

"ضعیف روایت کے بارے میں علماء حدیث کا اختلاف ہے تاہم اس امر پر تو سب متفق ہیں کہ احکام اور عقائد میں نہ تو ضعیف روایت قبول کی جائے گی اور نہ اسے بیان کیا جائے گا اور نہ اس پر عمل کیا جاسکتا ہے"[45]

اگرچہ متأخرین فقہاء نے اس اصول کو پس پشت ڈال دیا ہے لیکن فضائل میں اکثر احناف کا بھی یہی مذہب ہے۔ لیکن کبار محدثین اسے ناجائز تصور کرتے ہیں۔ خود ائمہ میں ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ روایت حدیث میں بہت سخت تھے ان کے علاوہ بخاریؒ، مسلمؒ، ترمذی، نسائیؒ روایت ضعیف کو قبول نہیں فرماتے۔ امام ابن تیمیہؒ یہاں تک فرماتے ہیں:

"لا یقبل احادیث الفضائل الا ما رواہ البخاری و مسلم و الترمذی"

"یعنی فضائل کی کوئی روایت قبول نہ کی جائے سوائے اس کے جو بخاری، مسلم وترمذی نے روایت کی ہو اور موجودہ دور میں اہل بدعت انہی ضعیف روایات کے ذریعہ لوگوں کو گمراہ کرتے اور انہی روایات کے ذریعہ منکرین احادیث اور دہریہ قسم کے لوگ دین پر معترض ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں علماء کا فرض ہے کہ وہ ضعیف روایات بیان کرنے سے احتیاط کریں اور ضعیف بہر صورت ضعیف ہے، چاہے وہ احکام میں ہو یا فضائل میں، عقائد میں ہو یا ترغیب میں۔ اور پھر اس پر مسائل کی بنیاد رکھنا گویا کہ اسے صحیح تسلیم کر لینے کے مترادف ہے تو یہ کیوں کر جائز ہو گا؟"[46]

اس تیسرے نقطہ نظر رکھنے والے علمائے کرام کے ہاں قبولیت حدیث کے سلسلہ میں اعلیٰ درجے کی احتیاط پائی جاتی ہے انھوں نے نہ صرف موضوع احادیث کو قابل رد قرار دیا (جس طرح کہ جمہور علماء کا فیصلہ ہے) بلکہ ضعیف احادیث کو بھی بلا کم وکاست قابل رد قرار دے دیا۔ اور ضعیف احادیث سے تقویٰ اختیار کرتے ہوئے اس کی مختلف اقسام میں فرق سے کام نہیں لیا۔ اس مذہب کے نمائندہ علماء نے احتیاط کے انتہائی تقاضہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے ضعیف احادیث کو قطعی ناقابل قبول قرار دیا اور صرف ایسی احادیث پر عمل کو جائز رکھا جو رسول اللہ ﷺ سے قطعی طور پر ثابت ہوں۔

خلاصہ بحث:

ضعیف احادیث کے بارے میں اہل علم کے تین نقطہ نظر پیش کئے گئے اور یہ تینوں نقطہ نظر امت میں ہر دور میں پائے جاتے رہے ہیں۔ جن معاملات میں صحابہ کرام اور تابعینؒ کے زمانے سے امت میں ایک سے زائد آراء چلی آرہی ہیں ان معاملات پر امت میں تفریق نہیں کرنی چاہیئے۔ کیونکہ امت کی اتحاد واتفاق اور وحدت قرآن مجید سے ثابت ہے: ''اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ''[47] اسی طرح آپ ﷺ کے طرز عمل سے بھی ثابت ہے کہ امت مسلمہ کی وحدت کا تحفظ کرنا چاہیئے۔ لہذا اس طرح کے اختلافی معاملہ میں جہاں تابعین عظامؒ کے زمانہ سے متعدد آراء چلی آرہی ہوں، محدثین اور کبار علماء کے نقطہ ہائے نظر تین طرح کے پائے جاتے ہوں تو ایسے معاملات میں ایک دوسرے پر نکیر اور تکفیر نہیں کرنی چاہیئے۔ موجودہ دور میں بھی اگر وہ تین آراء موجود ہوں تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے ایک دوسرے کو برداشت کرنا چاہیئے تاکہ وحدت امت قائم رہے اور اس بنیاد پر کوئی اختلاف ایسا پیدا نہیں ہونا چاہیئے کہ جس سے معاصر امت مسلمہ میں کوئی تفریق وانتشار پیدا ہو جائے۔

حواشی وحوالہ جات:

[1] ابن الصلاح، مقدمہ بن الصلاح، ابو عمرو عثمان بن عبد الرحمن، دار الفکر، سوریا، ۱۹۸۶

[2] ایضاً ص 41

[3] ابن حجر عسقلانی، ابو الفضل احمد بن علی بن محمد، النکت علی کتاب ابن الصلاح، جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ، 1983، ج 1، ص 492

[4] الطحان، تیسیر مصطلح الحدیث، ڈاکٹر محمود الطحان، مرکز الھدیٰ دراسات، اسکندریہ مصر 1415ھ ص 69

[5] غازی، محاضرات حدیث، ڈاکٹر محمود احمد غازی، الفیصل ناشران، لاہور ص 151، 150

[6] السیوطی، جلال الدین عبد الرحمٰن "تدریب الراوی مع تقریب النواوی"، (تحقیق: عبد الواہاب) بیروت، دار الکتب العلمیۃ، 1979، ج 1، ص 299

[7] السخاوی، شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن، فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث" دار الکتب العلمیۃ- لبنان 1403ھ ج 1، ص 84

[8] السیوطی، جلال الدین "تدریب الراوی" ص 168 ج 1

[9] شاطبی ابو اسحٰق ابراہیم بن موسیٰ بن محمد اللخمی الغرناطی "الاعتصام" بیروت؛ دار المعرفہ؛ ت ن؛ ص 248؛ ج 1

[10] ابن قیم الجوزیۃ، ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر: اعلام الموقعین عن رب العالمین" مصر "مطبعہ السعادتہ 1374ھ ص۔ 32 ج 1

[11] ذہبی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد: مناقب الامام ابی حنیفہ "بیروت، دار الکتاب العربی 1367ء ص 21

[12] ابو الحسنات، مولانا عبد الحی لکھنوی " ظفر الامانی شرح مختصر الجرجانی" لکھنو، مطبع چشمہ فیض، ت ن، ص 108

[13] مکی، شہاب الدین احمد ابن حجر الہیثمی، "خیرات الحسان فی مناقب ابی حنیفہ النعمان" مصر، المکتبہ الخیریہ "1304ھ ص 78

[14] ابن حزم، ابو محمد علی الظاہری "احکام فی اصول الاحکام" مصر، مطبعہ السعادتہ 1345ھ ص 54 ج 7

[15] ابن قیم الجوزیۃ، "اعلام الموقعین عن رب العالمین" ص 77 ج 1

[16] القشیری، ابو الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم، الجامع الصحیح مسلم، مصر، المطبعۃ المصریۃ، 1347ھ / 1929ء حدیث نمبر 1122

[17] خطیب بغدادی، ابو بکر احمد بن علی بن ثابت "الکفایۃ فی علم الروایۃ" حیدر آباد دکن، دائرہ المعارف العثمانیہ 1970ء ص 134

[18] السیوطی، جلال الدین عبد الرحمٰن "تدریب الراوی مع تقریب النواوی" ص 298 ج 1

[19] سخاوی، محمد بن عبد الرحمٰن "فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث"، ص 120

[20] ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم "منہاج السنۃ النبویۃ"، ص 8 ج 3

[21] النووی، ابو زکریا محی الدین بن شرف "ما تمس الیہ حاجۃ القاری لصحیح الامام البخاری" بیروت، دار الکتب العلمیہ ت ن؛ ص 87

[22] عثمانی، ظفر احمد التھانوی "قواعد فی علوم الحدیث"، ص37

[23] الحصکفی، علاء الدین محمد بن علی بن محمد "الدر المختار فی شرح تنویر الابصار" مصر، مطبعہ، بولاق 1373ھ ص87ج1

[24] السیوطی، جلال الدین عبد الرحمٰن "تدریب الراوی مع تقریب النواوی"، ص298ج1

[25] سخاوی، محمد بن عبد الرحمٰن "فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث" مدینہ المنورۃ، المکتبہ السلفیۃ'ت ن، ص120

[26] السیوطی، جلال الدین عبد الرحمٰن "تدریب الراوی مع تقریب النواوی"، 1979ء ص298

[27] ابن عابدین، محمد امین "رد المحتار علی الدر المختار" مصر، مطبعہ بولاق 1372ھ ص87ج1

[28] السیوطی، جلال الدین عبد الرحمٰن "تدریب الراوی مع تقریب النواوی"، ص299ج1

[29] ابی الحسنات، عبد الحئ لکھنوی، "الاثار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعۃ" (تحقیق: عبد الفتاح ابو غدہ) بیروت، دار الکتب العلمیہ 1984ء ص74

[30] ایضاً ص21

[31] ایضاً ص74

[32] ایضاً ص81

[33] سخاوی، محمد بن عبد الرحمٰن "فتح المغیث بشرح الفیتہ الحدیث، ص120ج1

[34] قاسمی، شیخ محمد جمال الدین "قواعد التحدیث" محولہ بالا ص 34

[35] القشیری، مسلم بن حجاج بن مسلم "مقدمہ الصحیح للمسلم" ص60-61ج1

[36] القرآن: 6:49

[37] القرآن: 2:65

[38] القشیری، مسلم بن حجاج بن مسلم "مقدمہ صحیح مسلم" 61-62ج

[39] التیمی، امام محمد بن حبان بن احمد ابی حاتم البستی "المجروحین من المحدثین والضعفاء والمتروکین" مکۃ المکرمہ "دار الباز" ت ن، ص324ج1

[40] الالبانی، شیخ محمد ناصر الدین "سلسلتہ الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ" بیروت، المکتب الاسلامی 1985ء ص3ج2

[41] ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم "القاعدۃ الجلیلۃ فی التوسل والوسیلۃ" بیروت المکتب الاسلامی ت ن ص82

[42] ابن حزم، امام ابو محمد علی اندلسی "الفصل فی الملل والاھواء والنحل" مصر، مطبعہ الادیتہ۔ت ن، ص83ج1

[43] علامہ شوکانی، محمد بن علی "الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ" (تحقیق:: عبد الراحمٰن بن یحییٰ) مصر، مطبعۃ السنۃ المحمدیہ، ت ن، ص283

[44] خطیب بغدادی، ابو بکر احمد بن علی بن ثابت "الکفایۃ فی علم الروایہ "حیدر آباد دکن، دائرہ المعارف العثمانیہ 1970ء ص155

[45] ملا علی قاری "" موضوعات کبیر "(ترجمہ: مولانا حبیب الرحمٰن کاندھلوی) کراچی، ایچ ایم سعید اینڈ سنز، ت ن، ص51-53

[46] ایضاً ص53،52

[47] القرآن: 92:21